منیر احمد یزدانی
استاد شعبہ اردو، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، میرپور

علامہ اقبال کے ایک خطبے کا توضیحی مطالعہ

Munir Ahmed Yazdani
Department of Urdu,Govt. College, Mirpur

A Detailed Study of an Iqbal's Lecture

"Islam as a Moral and Political Idea" is a very Important Intellectual presentation of Allama Muhammad Iqbal. In this *Khutba* Iqbal's vision is clearly reflected in very short and strong manner. His approach and behavior about expressing the unique ideas is much note-able. In this article Iqbal's views about Islam, as a Moral and Political Idea, have been Discussed.

علامہ اقبالؒ کی نظم ونثر کا مجموعی طور پر جائزہ لیا جائے تو ایک بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ انہوں نے اپنی تحریروں کے ذریعے دوسرے مذاہب پر اسلام کی برتری اور اسلام کی حقانیت کو ثابت کیا ہے۔ زیرِ بحث مقالہ بعنوان ''اسلام بحیثیت اخلاقی اور سیاسی نصب العین''(۱) Islam as a Moral and Political Ideal میں علامہ اقبال نے بدھ مت عیسائیت اور زرتشتی مذہب کی اخلاقیات کا اسلامی اخلاقیات سے موازنہ کیا ہے، انسان کے کائنات میں مقام پر اظہار خیال کیا ہے، علاوہ ازیں توحید کی غرض و غایت بیان کی ہے۔ احساسِ شخصیت یا خودی کا اسلامی تعلیمات میں مقام متعین کیا ہے اور حضورﷺ کی بعثت کی غرض وغایت کے حوالے سے اسلام میں مساوات کی تعلیم کو واضح کیا ہے۔ یہی اہم نکات ہیں جن کی مدد سے علامہ اقبال نے اسلام کو اخلاقی اور سیاسی اعتبار سے دوسرے تمام مذاہب کے مقابلہ میں برتر ثابت کیا اور انھی نکات کو ''رموزِ بیخودی'' کے حوالے سے ہم زیر بحث لائیں گے۔

علامہ اقبال کی فارسی، مثنوی ''رموزِ بیخودی'' دراصل ''اسرارخودی'' کے تسلسل میں لکھی گئی۔ علامہ اقبال نے ''اسرارِ

خودی''میں فرد کی خودی، اس کے استحکام اور ارتقاء پر بحث کی تھی جبکہ''رموزِ بیخودی''میں فرد اور ملت کے تعلق، اس تعلق کے استحکام اور ملت کی حیاتِ اجتماعیہ کی بقاء اور سلامتی کے اصول وضوابط پر بحث کی ہے اور دینِ اسلام کے معاشرتی، سیاسی، معاشی، اخلاقی اور تمدنی اصولوں کو امتِ مسلمہ کی نجات کا واحد راستہ قرار دیا ہے۔ مختصراً یوں کہ رموزِ بیخودی میں علامہ اقبالؒ نے دنیا کو اس نظامِ حیات کے بنیادی اصولوں سے آگاہ کیا ہے جسے قرآن پاک نے دینِ اسلام سے تعبیر کیا ہے اور بقول پروفیسر یوسف سلیم چشتی:

> رموزِ بیخودی کا خلاصہ یہ ہے کہ دینِ اسلام دیگر مذاہب کی طرح محض پوجا پاٹ کا نام نہیں ہے یا فرد کا پرائیویٹ معاملہ نہیں ہے بلکہ وہ ایک ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کا نام ہے۔ اس لیے کوئی مسلمان ملت سے جدا ہو کر اسلامی زندگی بسر نہیں کر سکتا اور جب یہ ممکن نہیں تو وہ اپنی خودی کو بھی مرتبہٴ کمال تک نہیں پہنچا سکتا۔ (۲)

فرد اور معاشرہ یا ملت، علامہ اقبالؒ کے نظامِ فکر کا بنیادی نکتہ ہے۔ تعمیرِ آدمیت اور تکمیل انسانیت ان کے افکار کا نمایوں پہلو ہے۔ ان کے نزدیک افراد کی بقاء کا راز اسی میں مضمر ہے کہ وہ خود کو بحیثیت ایک قوم کے کس طرح دنیا میں متعارف کرواتے ہیں اور زندگی کا سامان پیدا کرتے ہیں۔ اسلام ایسا دستور العمل ہے جو افراد کو بحیثیت فرد اور قوم زندہ رہنے کے ضابطے مہیا کرتا ہے کیونکہ اسلام اخروی زندگی کے ساتھ ساتھ دنیاوی زندگی کے تمام اصول وضوابط پیش کرتا ہے۔ یہ ایک اخلاقی نصب العین بھی ہے اور نظامِ سیاست ومعاشرت بھی ہے چنانچہ فرد اور جماعت کی زندگی کا کوئی شعبہ اس کے دائرۂ عمل سے باہر نہیں۔ دینِ اسلام بلاشبہ ایک مخصوص ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کا نام ہے۔ اس لیے وہ دنیا کے کسی نظامِ حیات سے کسی قسم کی مفاہمت نہیں کر سکتا۔ اس مقصد کے لیے اس نے ایسا حیران کن ضابطہ نافذ کر دیا ہے کہ دنیا میں اس کی مثال نہیں ملتی یعنی ساری دنیا کے انسانوں کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت پر ایمان لے آئیں وہ بلا لحاظ رنگ ونسل، قوم اور علاقہ کے ملتِ اسلامیہ میں شامل ہیں اور جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر ایمان نہ لائیں وہ سب ملتِ کفر کے افراد قرار دیئے جائیں گے۔

اب ہم زیرِ بحث مقالہ کے مباحث پر بات کریں گے جس میں علامہ اقبال اسلام کے اخلاقی نظام کا بدھ مت، عیسائیت اور زرتشتی مذہب کے نظام اخلاق سے موازنہ کرنے کے بعد انسان اور عالم کے متعلق اسلامی نقطہ نظر کی یوں وضاحت کرتے ہیں کہ:

> حقیقت یہ ہے کہ اسلام عالم کو ایک حقیقت سمجھتا ہے اس لیے جو کچھ اس کے اندر ہے اس کو بھی ایک حقیقت جانتا ہے۔ گناہ، دکھ، غم، باہمی جدوجہد سب حقیقتیں ہیں لیکن اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ بدی عالم کے لیے ضروری نہیں بلکہ اس عالم کی اصلاح ہو سکتی ہے اور گناہ اور بدی کے عنصر تدریجاً دور کئے جا سکتے ہیں...... اگر انسان ان کو مناسب طریق پر قابو میں لے آئے کیونکہ انسان کو یہ طاقت دی گئی ہے کہ وہ حقیقت، اشیاء کو سمجھے اور ان پر قابو پائے...... ترکیبِ عالم میں دکھ ایک لازمی عنصر نہیں۔ خوف کا پہلو صرف مخالف حالات مدنی کا نتیجہ ہے۔ اسلام صحیح عمل کے اثر پر پورا اعتبار رکھتا ہے اس لیے اسلام کے نقطہٴ خیال کو اصلاحی کہہ سکتے ہیں یعنی ہر قسم کی علمی تحقیقات اور مدنی ترقی کے لیے انسانی کوشش کو یہ درست سمجھتا اور اس کو بطور ابتدائے غایت لیتا ہے۔ (۳)

انہی نکات کو رموزِ بیخودی میں علامہ اقبالؒ نے بیان کیا ہے کہ اے مسلمان تو نے غیر اسلامی تصورات قبول کر لیے ہیں اس لیے تو بھی ترک دنیا کی طرف مائل ہو گیا۔ خواب غفلت سے بیدار ہو جا۔ اس عالمِ مجبور کو ناپاک مت سمجھو اور ناپاک سمجھنے کی وجہ سے ترک عالم کا مسلک اختیار نہ کر۔ یہ عالم تیاگ دینے کے لائق نہیں ہے بلکہ تسخیر کرنے کے لیے ہے۔ کائنات کی تخلیق کی غایت یہ نہیں کہ اس سے قطع تعلق کر لیا جائے بلکہ یہ ہے کہ اسے مسخر کرے اور اس طرح اپنی ذات میں وسعت پیدا کرے۔ یعنی یہ دنیا اس لیے پیدا کی گئی ہے کہ تو اپنی مخفی طاقتوں کا امتحان کر سکے۔

اس طرح علامہ اقبال نے بدھ مت، عیسائیت اور زرتشتی مذہب کی اخلاقی تعلیم کی نفی کر کے انسان کو تسخیر فطرت کا درس دیا اور کہا ہے کہ انسان اگرچہ غنچہ ہے لیکن اس کی ذات میں سارا چمن پوشیدہ ہے۔ بظاہر شبنم ہے لیکن اس میں اتنی قوت ہے کہ یہ آفتاب کو مسخر کر سکتا ہے اور یہ کہ عالم روحانی کی تسخیر سے پہلے عالم مادی کو مسخر کرنا ضروری ہے۔ اس طرح علامہ اقبال نے مسلمانوں کو اس گمراہی سے نکالنے کی کوشش کی ہے جس میں وہ ایک عرصہ سے گرفتار ہو گئے ہیں یعنی رہبانیت جس کے تحت مسلمان بھی بے عمل ہو چکے ہیں حالانکہ یہ تعلیمات تو غیر اسلامی ہیں۔ اسلام اس کی نفی کرتا ہے اور عمل پر زور دیتا ہے۔

علامہ اقبالؒ کے اس ضمن میں چند اشعار پیش کیے جا رہے ہیں:

آنکہ تیرش قدسیاں را سینہ خست　　اول آدم راسرِ فتراک بست(۴)

اے کہ از تاثیرِ افیون خفتۂ　　عالمِ اسباب رادوں گفتۂ(۵)

غایتش توسیعِ ذات مسلم است　　امتحانِ ممکنات مسلم است(۶)

اسلام میں نجات، خوف سے آزادی کا نام ہے:

علامہ اقبال نے اپنے مقالے میں خوف سے نجات حاصل کرنے پر زور دیا ہے کیونکہ یہ خوف ہی ہے جو انسان کو اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لیے جدوجہد سے روکتا ہے۔ اس سے نجات حاصل کر کے انسان اعلیٰ اخلاقی اقدار کا حامل بن سکتا ہے۔

علامہ اقبال اسی مقالے میں لکھتے ہیں۔

> انسان کی اخلاقی ترقی کا اعلیٰ سے اعلیٰ مرتبہ تعلیمِ قرآنی کی رو سے وہ ہے جب وہ خوف وحزن سے نجات حاصل کر لیتا ہے..... پس بنیادی اصول جس پر اسلام کی عمارت کھڑی ہے یہ ہے کہ عالم میں بے شک خوف ہے مگر اسلام کی غرض انسان کو خوف سے آزاد کرنا ہے۔(۷)

اور خوف سے نجات حاصل کرنے کا واحد طریقہ عقیدہ توحید پر پختہ ایمان ہے۔ جب انسان خدائے بزرگ و برتر کو واحد اور کائنات کا خالق و مالک مان لے اور صرف اپنے رب سے ڈرتے رہنے کی عادت اپنا لے تو باقی تمام خوف خود بخود دور ہو جاتے ہیں۔ نا اُمیدی، حزن اور خوف تمام اخلاقی برائیوں کی جڑ ہیں۔ لیکن توحید الٰہی پر عقیدہ رکھنے اور اس کے تقاضے پورے کرنے سے ان تمام رذائل سے نجات مل جاتی ہے۔ علامہ اقبال نے رموزِ بیخودی میں عقیدۂ توحید کے اسی اخلاقی پہلو کی

وضاحت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان کی بدولت زندگی میں قوت اور شوکت پیدا ہوتی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان خوف اور حزن دونوں سے نجات حاصل کر لیتا ہے۔ خوف کے مضر نتائج سے ایک مثال کے ذریعے آگاہ کرتے ہیں کہ اگر انسان میدان جنگ میں دشمن سے خائف ہو جائے تو:

۱۔ دشمن پر وار نہیں کر سکتا بلکہ آنکھ بھی نہیں ملا سکتا۔

۲۔ دشمن اس پر بڑھ چڑھ کر وار کرتا ہے۔

۳۔ تھوڑی دیر کے بعد صرف اس کی نگاہ تجھے مغلوب کرنے کے لئے کافی ہوگی۔

علامہ اقبال نے یہ بات زور دے کر کہی ہے کہ غیر اللہ سے ڈرنا بھی شرک ہے۔

ہر کہ رمز مصطفیٰ ؐ فہمیدہ است　　شرک را در خوف مضمر دیدہ است(۸)

خوفِ حق عنوانِ ایمان است و بس　　خوفِ غیر از شرک پنہاں است و بس(۹)

علامہ اقبال نے تیر و شمشیر کی تمثیل اور اورنگزیب عالمگیرؒ کی حکایت کی مدد سے توحید الٰہی کی غرض و غایت اور اس عقیدہ پر ایمان لانے کے ثمرات کو واضح کیا ہے۔ علامہ نے نتیجہ اخذ کیا ہے کہ مومن کا دل چونکہ خوف سے پاک ہوتا ہے اس لیے اس پر تیر کارگر ہوتا ہے اور نہ تلوار اثر کرتی ہے۔ اورنگزیب عالمگیر کی حکایت سے یہ سبق حاصل کیا ہے کہ ایسا دل جو دشمن کے مقابلہ میں خود نما اور خدا کے سامنے خود شکن ہو۔ صرف مومن کے سینہ میں پایا جاتا ہے اور مسلمان کو تلقین کرتے ہیں کہ اے مسلمان اگر ہو سکے تو تُو بھی اپنے سینے میں ایسا ہی دل پیدا کر اور اس کی صورت یہ ہے کہ

خویش را در باز و خود را باز گیر　　دامِ گستر از نیاز و ناز گیر(۱۰)

یعنی عشق الٰہی اختیار کر اور عشق کی بدولت اپنی خودی مستحکم کر لے اور پہلے اللہ سے محبت کر اپنے اندر شان فقر پیدا کر۔ اس کا ثمر یہ ملے گا کہ معشوق (اللہ تعالیٰ) خود تیرا عاشق بن جائے گا۔ بقول یوسف سلیم چشتی:

> بس یہی اقبالؒ کا سارا فلسفہ ہے جس کو انہوں نے ''اسرار و رموز'' سے لے کر ''ارمغانِ حجاز'' تک اپنی تصانیف میں مختلف صورتوں میں بیان کیا(۱۱)

اور مسلمان کو عقل کی غلامی سے پرہیز کرنے اور عشق کی آگ میں کود کر اللہ کا غلام بننے کا مشورہ دے رہے ہیں۔ اس کے نتیجے میں ساری کائنات مومن کی غلام ہو جائے گی۔

اسلام احساس شخصیت کو بڑھاتا ہے:

علامہ اقبال نے فلسفہ خودی مربوط شکل میں ''اسرار و رموز'' میں پیش کیا ہے۔ لیکن اس کے نقوش ان کے ذہن میں بہت پہلے سے پرورش پا رہے تھے۔ اس سلسلے میں زیر بحث مقالے ''اسلام بحیثیت اخلاقی اور سیاسی نصب العین'' اور ۱۹۱۰ء میں چند ماہ تک لکھی گئی علامہ اقبال کی ڈائری ''شذراتِ فکرِ اقبال'' میں خودی کے بارے میں واضح اشارات ملتے ہیں۔ اس وقت

علامہ اقبال خودی کو احساس شخصیت، احساس ذات کے ناموں سے واضح کرتے ہیں۔ زیر بحث مقالہ میں لکھتے ہیں

> اسلام کا اعلیٰ اخلاقی مقصد انسان کو خوف سے چھڑانا اور اس طرح اس کے اندر اپنی شخصیت کا احساس پیدا کرنا اور اس کو یہ محسوس کرانا ہے کہ وہ ایک قوت کا سرچشمہ ہے۔ یہ خیال کہ انسان ایک غیر محدود طاقت کی شخصیت ہے۔ تعلیم اسلام کے مطابق تمام افعالِ انسانی کی اصلی قدر و قیمت بتانے والا ہے۔ نیکی انسان کے احساس شخصیت کو ترقی دینے والی ہے اور بدی اس احساس کو کمزور کرتی ہے۔ پس نیکی ایک قوت، طاقت اور توانائی ہے۔ بدی ایک کمزوری ہے۔ انسان میں اس کی اپنی شخصیت کا ایک تیز احساس پیدا کر دو اس کو خدا کی زمین میں بے خوف اور آزاد پھرنے دو۔۔۔۔ افعال کی یہ صورتیں جو انسانی شخصیت کی طاقت کو کمزور کرتی ہیں ان کو بدھ مذہب اور عیسائیت نے بڑی نیکیاں قرار دے کر ان پر زور دیا ہے۔ مگر اسلام نے ان کی طرف بالکل رخ نہیں کیا۔ پہلے عیسائی افلاس اور ترک دنیا کو اپنے لئے موجب فخر سمجھتے تھے لیکن اسلام افلاس کو برا سمجھتا ہے..... اسلام گویا قدیم دنیا کی اخلاقی قدروں کی از سر نو قیمت مقرر کرتا ہے اور تمام اخلاقی حرکت کی آخری دلیل شخصیت انسانی کے احساس کو باقی رکھنا اور پھر اس کو تیز تر کرنا قرار دیتا ہے۔ (۱۲)

اس اقتباس میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ خودی خود کا شعور ہے اور اس کے ذریعے انسان اپنی مخفی قوتوں کا اندازہ لگا سکتا ہے اور یہ کہ خیر و شر کا معیار بھی خودی کے ذریعے قائم کیا جا سکتا ہے کہ جو چیز خودی کو مضبوط کرے وہ خیر یا نیکی ہے اور جو خودی کو کمزور کرے وہ شر یا بدی ہے۔ اس لئے انسان نیکی کی قوت سے اپنی آزادانہ شخصیت کو خیر کے کاموں کی طرف راغب کرتا ہے اور یہ کہ اسلام بھی خودی کی نشوونما کے لئے انسان کو آزاد شخصیت قرار دیتا ہے اور یہ ضروری ہے کہ انسان خودی کی تربیت میں مراحل سہ گانہ یعنی اطاعت الٰہی، ضبط نفس اور نیابتِ الٰہی کو کامیابی سے طے کرے اور خلیفۃ اللہ فی الارض ہونے کا ثبوت فراہم کرے۔

علامہ اقبالؒ نے اسی تصور خودی کو واضح اور مربوط صورت میں اسرار خودی میں پیش کیا۔ لیکن وہ افراد کی خودی کے ساتھ ساتھ ملت کی خودی کو بھی مضبوط کرنا چاہتے ہیں کیونکہ قومی خودی اس وقت مرتبہ کمال کو پہنچتی ہے جب فرد کی طرح قوم کے اندر بھی خودی کا احساس پیدا ہو جائے۔ اس تصور یعنی فرد اور ملت کے باہمی ربط کو رموز بیخودی میں وضاحت سے پیش کیا ہے۔ رموز بیخودی کے مقاصد کے بارے میں علامہ اقبال نے اس کی پہلی اشاعت میں ایک دیباچہ بھی شامل کیا تھا۔ جو بعد میں حذف کر دیا گیا۔ اس میں علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں

> افراد کی صورت میں احساس نفس کا تسلسل، قوتِ حافظہ سے ہے اقوام کی صورت میں اس کا تسلسل و استحکام، قومی تاریخ کی حفاظت سے ہے گویا قومی تاریخ، حیات ملیہ کے لئے بمنزلہ قوتِ حافظہ ہے جو اس کے مختلف مراحل کے حسیات و اعمال کو مربوط کر کے ''قومی انا'' کا زمانی تسلسل محفوظ و قائم رکھتی ہے۔ علم الحیات اور عمرانیات کے اسی نکتہ کو ملحوظ رکھ کر میں نے ملت اسلامیہ کی ہیئت ترکیبی اور اس کے مختلف اجزاء و عناصر پر نظر ڈالی ہے اور مجھے یقین ہے کہ امت مسلمہ کی حیات کا صحیح ادراک اسی نقطہ نگاہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔ (۱۳)

اسلام ہمیں ایثار و قربانی کا درس دیتا ہے۔ اس طرح بھی ایک انسان کا دوسروں کے لئے قربانی کا جذبہ فرد اور ملت

کے اس تعلق کو ظاہر کرتا ہے کہ ذاتی مفاد کو اجتماعی مفاد پر قربان کرنا اسلام کی تعلیمات کا حصہ ہے۔

اسلام میں مساواتِ انسانی.....اور غلامی سے نجات کی تعلیم:

علامہ اقبالؒ نے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بعثت کا مقصد یہ بیان کیا ہے کہ اس کے ذریعے انسان تین نعمتوں سے سرفراز ہوا ہے۔ اوّل: حریت، دوم: اخوت اور سوم: مساوات۔ انفرادی خودی کی تکمیل تو حریت سے ہوتی ہے اور اجتماعی خودی کی تکمیل اخوت اور مساوات سے ہوتی ہے اور اخوت و مساوات کے ذریعے دنیا میں ایک مثالی معاشرہ قائم کرنے میں مدد ملتی ہے۔ اسلام ہی ایک فلاحی ریاست کے ذریعے مثالی معاشرے کے قیام کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ اسلامی فلاحی ریاست کی قوت محرکہ رسالت محمد ﷺ ہے اور رسالت محمد ﷺ ہمیں صحیح معنوں میں اخوت، حریت اور مساوات کا راستہ دکھاتی ہے۔ بلکہ اس کی ضمانت بھی فراہم کرتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جس طرح اپنے اسوہ حسنہ کے ذریعے معاشرے میں اخلاقی قدروں کی ترویج کا سامان فراہم کیا ہے اور اپنے عمل و کردار سے انسانی مساوات کے عملی نمونے لوگوں کے سامنے پیش کر کے آزاد اور غلام میں بحیثیت انسان فرق ختم کر دیا ہے۔ علامہ اقبالؒ زیر بحث مقالہ میں اس پر اظہار خیال کرتے ہیں۔

> پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جو پرانی اور نئی دنیا میں گویا ایک رابطہ تھے مساوات انسانی کے اصول کی بڑے زور سے تعلیم دی.....اور غلام، آزاد کو ایک مرتبے پر لا کھڑا کیا..... یہ امر کہ غلاموں کو وہی موقع ترقی کا حاصل تھا جو آزادوں کو تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ بعض جلیل القدر مسلمان، جنگ کرنے والے، بادشاہ، وزیر، عالم، اصول قوانین وضع کرنے والے غلام تھے۔ (۱۴)

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز　　نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز (۱۵)

علامہ اقبالؒ اسلام کے معاشرتی مساوات کے ابدی اصول کو آج کے معاشرے کی خرابیوں کا واحد حل قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ اسلامی نظام حیات ہی میں مساوات کا صحیح تصور موجود ہے۔ فرماتے ہیں

> کسی تصور کی عملی قوت اس شخصیت کی توانائی پر منحصر ہے جس میں وہ تصور متشکل ہوتا ہے۔ مہاتما بدھ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد ﷺ تصور مساوات کے عظیم پیکر ہیں۔ تاہم اسلام دنیا میں وہ واحد قوت ہے جو اب بھی مساوات کے حق میں کوشاں ہے۔ (۱۶)

زیر بحث مقالہ میں علامہ نے حضور ﷺ کے اس عملی نمونے کی مثال پیش کی ہے۔ جس کے تحت آپ ﷺ نے ایک آزاد قریش خاتون حضرت زینبؓ کا نکاح ایک آزاد شدہ غلام حضرت زید بن حارثؓ کے ساتھ کر دیا۔ بعد میں ان دونوں میں طلاق ہو گئی اور غلام کی مطلقہ کے ساتھ خود حضور ﷺ نے نکاح کر کے ایک مثال قائم کی کہ آزاد اور غلام کا مرتبہ اسلام میں برابر ہے۔ اس طرح علامہ نے امیر افغانستان عبدالرحمٰن کی سوانح سے ایک اقتباس نقل کیا ہے جس میں امیر عبدالرحمٰن نے بتایا ہے کہ اس کے قابل اعتبار مصاحبین اور نائبینِ حکومت غلام ہیں جن پر وہ بہت زیادہ بھروسہ کرتا ہے۔

''رموز بیخودی'' میں بھی علامہ اقبال نے غایت رسالت محمد ﷺ بڑے خوبصورت انداز میں بیان کی ہے اور تین

مختلف حکایات کے ذریعے اسلام کے حصول مساوات، اخوت، حریت، عدل وانصاف، احسان اور ایفائے عہد کو واضح کیا ہے۔ پہلی حکایت ابوعبیدہ ثقفی اور سردار جابان کی ہے۔ دوسری حکایت سلطان مراد اور معمار کی ہے جبکہ تیسری حکایت واقعہ کربلا پر مبنی ہے۔ ان حکایات سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے جن میں امیر اور غریب، بادشاہ اور غلام کے ساتھ برابر کا سلوک کیا گیا۔

انسان کی تخلیق کا مقصد یہ ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے لیکن اگر وہ کسی اعتبار سے دوسروں کا غلام ہوگا تو وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرسکتا۔ اس لیے اسلام نے غلامی کو ختم کر دیا۔

اسلام کا سیاسی نظریہ:

علامہ اقبال نے زیر بحث مقالہ میں اسلام کے سیاسی تصورات میں سے دو پر خاص طور پر زور دیا ہے۔ اوّل یہ کہ اسلام ایک امن پسند مذہب ہے۔ دوم یہ کہ اسلام رنگ، نسل، ذات، برادری، زبان، علاقہ اور فرقہ پرستی کے خلاف ہے۔ اس لئے علامہ نے وطن کے سیاسی اور مغربی تصور کی مخالفت کر کے وطن کے اسلامی تصور کی اہمیت واضح کی ہے۔ ان کے خیال میں اگر انسان کو وطن کے مہلک پنجوں سے نجات مل جائے اور وہ ایک عالمگیر برادری کا رکن بن جائے تو اس دنیا میں قتل وغارت کا بازار سرد پڑ جائے۔ اگر ہم جغرافیائی حدود سے آزاد ہو جائیں تو ایک دوسرے سے نفرت کرنا چھوڑ دیں۔ چنانچہ علامہ اقبال نے اپنی شاعری اور نثر میں وطن کے سیاسی تصور کے خلاف بڑے زور وشور سے لکھا ہے۔ رموز بیخودی میں فرماتے ہیں:

آن چناں قطع اخوت کردہ اند — بر وطن تعمیر ملت کردہ اند
تا وطن را شمعِ محفل ساختند — نوعِ انساں را قبائل ساختند
ایں شجر جنت ز عالم بردہ است — تلخی پیکار بار آوردہ است
مردمی اندر جہاں افسانہ شد — آدمی از آدمی بیگانہ شد (۱۷)

ملت محمد ﷺ کی بنیاد چونکہ توحید اور رسالت پر رکھی گئی ہے اور دونوں کا تعلق عقیدہ سے ہے یعنی ملت اسلامیہ کی بنیاد غیر مادی ہے اس لئے ملت اسلامیہ کسی مادہ شے سے وابستہ نہیں ہوسکتی۔ یعنی کسی خاص ملک یا خطہ ارضی میں محدود نہیں ہو سکتی۔ انسان ہر زمانے میں مختلف بت تراشتا ہے اور ان کی پوجا کرتا ہے۔ ان بتوں میں رنگ، نسل، وطن، ذات پات اور فرقہ بندی کے بت ہیں۔ یہ بت انسان کو توحید اور خودی سے دور لے جاتے ہیں۔ چنانچہ انسان توحید سے ہٹ کر تباہی کی طرف بڑھ رہا ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں:

> اسلام کا ظہور بت پرستی کے خلاف ایک احتجاج کی حیثیت رکھتا ہے۔ وطن پرستی بھی بت پرستی کی ایک نازک صورت ہے۔ مختلف قوموں کے وطنی ترانے میرے اس دعوے کا ثبوت ہیں کہ وطن پرستی ایک مادہ شے کی پرستش سے عبارت ہے۔ اسلام کسی صورت میں بت پرستی کو گوارا نہیں کرسکتا۔ پیغمبر اسلام کا اپنی جائے پیدائش مکہ سے ہجرت فرما کر مدینے میں قیام اور وصال غالباً اسی حقیقت کی طرف ایک مخفی اشارہ ہے۔ (۱۸)

علامہ اقبال نے اسلام کے سیاسی تصور کے بارے میں اپنے ایک خطبہ ''ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر'' میں بھی اظہار خیال کیا ہے۔

علامہ اقبال زیر بحث مقالہ میں بیان کرتے ہیں کہ اسلامی دستور کے دو بنیادی اصول ہیں۔ اول قانون الٰہی کی حاکمیت اور دوم ملت کے تمام افراد میں مساوات، اسلام کا سیاسی نصب العین ملت اسلامیہ کے اتحاد کے ذریعے جمہوریت کا قیام ہے۔ تمام مسلمانوں کی برابری کا اصول یہی تھا۔ جس نے انہیں دنیا کی عظیم ترین سیاسی طاقت بنا دیا۔ اسلام میں فرقہ بندی اور معاشرتی ذات پات کی کوئی گنجائش نہیں ہے کیونکہ وہ ایک ناقابل تقسیم وحدت ہے۔ اس لیے علامہ اقبال مسلمانوں کو متحد ہونے کی تلقین کرتے ہیں۔

> "Fight not for the interpretations of truth, when the truth itself is in danger. It is foolish to complain of stumbling when you walk in the darkness of night. Let all come forward and contribute their respective shares in the great toll of the nation. Let the idols of class distinctions and sectarianism be smashed for ever, let the Musalmans of the country be once more united into a great vital whole. (۱۹)

رموز بیخودی میں علامہ اقبال نے واضح شکل میں مسلم قومیت کے تصور کو اجاگر کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

جوہر ما با مقامے بستہ نیست　　بادہ تندش بجائے بستہ نیست
ہندی و چینی سفال جام ماست　　رومی و شامی گلِ اندام ماست
قلب ما از ہند و روم و شام نیست　　مرز بوم او بجز اسلام نیست (۲۰)

علامہ فرماتے ہیں کہ جب حق پرستی مطلوب ہے تو پھر حق تعالیٰ کے ارشاد پر عمل کرو۔ حق تعالیٰ نے تو حضورﷺ کو کائنات کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اس لیے حضورﷺ کو کسی خاص ملک سے منسوب نہ کرو۔ اور جس طرح حضورﷺ کا پیغام عالمگیر ہے اسی طرح حضورﷺ کی امت بھی عالمگیر ہے۔ نہ اس کی کوئی حد ہے اور نہ کوئی انتہا ہے۔

گفت سیف من سیوف اللہ گو　　حق پرستی جز براہ حق مپو
ہمچناں آن راز دان جز و و کل　　گرد پایش سرمۂ چشم رُسل (۲۱)

حوالہ جات/حواشی

۱۔ یہ مقالہ علامہ اقبالؒ نے انجمن حمایتِ اسلام لاہور کے سالانہ جلسے میں پڑھا۔ پہلی بار اپریل ۱۹۰۹ء میں ''ابزرور'' لاہور میں شائع ہوا اور مکمل صورت میں ''ہندوستان ریویو'' الہ آباد کے شمارے جولائی ۱۹۰۹ء اور اگست ۱۹۰۹ء میں شائع ہوا۔

۲۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی، شرح رموزِ بیخودی، عشرت پبلشنگ ہاؤس، لاہور ص:۱۸

۳۔ عبدالواحد معینی، سید، مرتبہ، مقالاتِ اقبال، آئینہ ادب، لاہور، ۱۹۸۸ء ص ص:۳۰۶۔۳۰۸

۴۔ محمد اقبال، علامہ، کلیاتِ اقبال (فارسی)، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۸۷ء ص:۱۴۱

۵۔ ایضاً، ص:۱۴۲

۶۔ ایضاً، ص:۱۴۲

۷۔ عبدالواحد معینی، کتاب مذکور، ص:۳۰۸

۸۔ محمد اقبال، علامہ، کلیاتِ اقبال (فارسی)، ص:۹۴

۹۔ ایضاً، ص:۹۹

۱۰۔ ایضاً، ص:۹۹

۱۱۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی، کتاب مذکور، ص:۱۱۰

۱۲۔ عبدالواحد معینی، کتاب مذکور، ص ص:۳۱۱۔۳۱۳

۱۳۔ ایضاً، ص ص:۲۳۳۔۲۳۴

۱۴۔ ایضاً، ص ص:۳۱۴۔۳۱۵

۱۵۔ محمد اقبال، علامہ، کلیاتِ اقبال (اُردو)، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۹ء، ص:۱۶۵

۱۶۔ افتخار احمد صدیقی، ڈاکٹر، مترجم، شذراتِ فکرِ اقبال، مجلسِ ترقی ادب لاہور، ۱۹۷۳ء، ص:۱۳۰

۱۷۔ محمد اقبال، علامہ، کلیاتِ اقبال (فارسی)، ص:۱۱۵

۱۸۔ افتخار احمد صدیقی، ڈاکٹر، کتابِ مذکور، ص:۸۳

۱۹۔ Latif Ahmed Sherwani, Ed, Speeches, Writings and Statements of Iqbal, Iqbal Academy, Lahore, 1977, P:103

۲۰۔ محمد اقبال، علامہ، کلیاتِ اقبال (فارسی)، ص:۱۱۲

۲۱۔ ایضاً، ص:۱۱۳